قوم، امت اور ملت

قرآنی اصطلاحات اور مسلم شناخت

ڈاکٹر محمد شکیل اوج
شعبہ قرآن وسنت، جامعہ کراچی

بلاشبہ قوم کی اصل، ابتدائی طور پر کوئی خاندان اور پھر قبیلہ ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں بھی شعوب وقبائل کو انسان کی تمدنی واجتماعی زندگی کی بنیاد مانا گیا ہے۔ ارتقائی طور پر یہی خاندان، جہاں ترقی پا کر قبیلہ بنا، وہیں قبیلے کے تمام افراد ایک قومی وحدت بنے۔ فرق صرف اتنا رہا کہ شروع شروع میں یہ قومی وحدت، نسلی بنیادوں پر استوار ہوئی۔ یعنی تمام خاندان اور قبائل، دراصل شروع میں ایک نسلی قوم بنے، پھر آہستہ آہستہ جب اس ''نسلی قوم'' میں مفادات کا اختلاف شروع ہوا تو ایک خاندان، دوسرے خاندان کا، ایک قبیلہ، دوسرے قبیلہ کا مخالف بنا۔ اس طرح نسلی قومیت کا بت خود پاش پاش ہونے لگا۔ فطری عوامل کے تحت یہی تصورِ قومیت، آگے بڑھ کر، نئی اصطلاحات کے ساتھ آیا۔ جسے لسانی اور جغرافیائی قومیتوں سے تعبیر کیا گیا۔ پھر یہ مسئلہ مزید آگے بڑھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ زبانوں میں تبدیلیاں آئیں۔

جغرافیائی صورتحال بھی یکساں نہ رہ سکی۔ بعض اسباب کے تحت نقل مکانی کا عمل الگ جاری رہا۔ غرض کبھی ختم نہ ہونے والا یہ سلسلہ، فطری عوامل کے تحت، خود اپنے راستے بناتا ہوا بعثت نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم تک آپہنچا۔ مگر دنیا کے مختلف اور متفرق اقوام کی رہنمائی کے لئے، خداوند عالم کی طرف سے آسمانی ہدایت کا نظام بھی جاری رہا۔ اس نظام کی بنیاد، عقیدہ توحید وآخرت پر تھی، جس میں عقیدہ رسالت کو اس کا جزو لازمی بنایا گیا۔ اس لئے ہر قوم میں نبی اور رسول الگ الگ رہا۔ مگر عقیدہ توحید وآخرت نہ بدلا۔ عقائد کی یہ تکون، ہر قوم کے لئے رہنمائی کا ذریعہ بنی اور اس طرح محدود پیمانے پر موجودہ اقوام کے مابین ایک ''نظریاتی قوم'' کی تشکیل بھی ہوتی رہی۔ تا آنکہ تاریخ انسانیت میں وہ وقت بھی آ گیا، جب اللہ رب العزت کی منشاء کے مطابق ''لامحدود پیمانے'' پر بعثت خاتمی مرتبتؐ کی صورت میں اس نظریہ کی داغ بیل ڈالی گئی۔ جو اب عالم گیر اخوت یا عالمگیر قومیت سے عبارت ہے۔

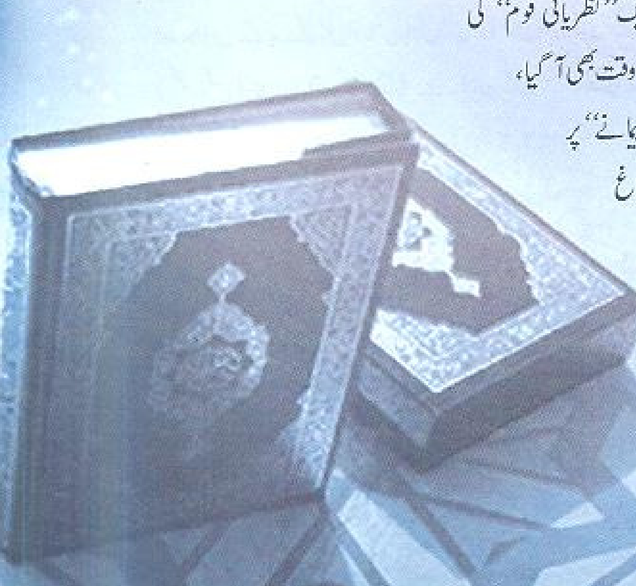

اس مضمون میں ہم اس عالمی نظریاتی تصور کو قوم، امت اور ملت کے قرآنی الفاظ کی روشنی میں قدرے تفصیل سے بیان کریں گے۔

قرآن کریم میں لفظ قوم کی اضافت جن مثبت افعال وصفات کی طرف کی گئی ہے۔ وہ یہ ہیں۔

(۱) لقوم یوقنون (۲) لقوم یعقلون (۳) لقوم یعملون (۴) لقوم یفقھون (۵) لقوم یذکرون (۶) لقوم یومنون (۷) لقوم یشکرون (۸) یقوم یتفکرون (۹) لقوم عابدین (۱۰) لقوم یتقون (۱۱) قوم الصالحین (۱۲) لقوم یسمعون.

ان افعال وصفات سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے عاملین وحاملین دراصل ایک قوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس سے لفظ قوم کی وسعت اور تنوع (Diversity) کا پتہ چلتا ہے۔ ذیل میں ہم ان افعال وصفات کے قرآنی استعمال پر منتخب آیات پیش کر کے اپنے دعویٰ کو مدلل کرنا چاہیں گے۔

لقوم یوقنون

۱۔ ہم نے ان لوگوں کے لئے بہت واضح نشانیاں ظاہر کر دی ہیں، جو ایمان رکھتے ہیں۔ (البقرۃ/۱۱۸)

لقوم یعقلون

۱۔ بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات اور دن کی گردش میں اور ان جہازوں (اور کشتیوں) میں جو سمندر میں لوگوں کو نفع پہنچانے والی چیزیں اٹھا کر چلتی ہیں اور اس (بارش) کے پانی میں جسے اللہ آسمان کی طرف سے اتارتا ہے۔ پھر اس کے ذریعے زمین کو مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کرتا ہے (وہ زمین) جس میں اس نے ہر قسم کے جانور پھیلا دیے ہیں، اور ہواؤں کے بدلنے میں اور اس بادل میں جو آسمان اور زمین کے درمیان (حکم الٰہی) کا پابند (ہو کر چلتا) ہے۔ (ان میں) عقلمندوں کے لئے (قدرت الٰہی کی بہت سی) نشانیاں ہیں۔ (البقرۃ/۱۳۶)

لقوم یعلمون

۱۔ فرما دیجئے: اللہ کی اس زینت کو کس نے حرام کیا ہے، جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا فرمائی ہے۔ اور کھانے کی پاک ستھری چیزوں کو (بھی کس نے حرام کیا ہے؟) فرما دیجئے: یہ (سب نعمتیں جو) اہل ایمان کی دنیا کی زندگی میں (بالعموم روا) ہیں۔ قیامت کے دن بالخصوص (انہی کے لئے) ہوں گی۔ اس طرح ہم جاننے والوں کے لئے آیتیں تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ (الاعراف/۳۲)

لقوم یفقھون

۱۔ اور وہی (اللہ) ہے جس نے تمہیں ایک جان (یعنی ایک خلیہ) سے پیدا فرمایا ہے۔ پھر (تمہارے لئے) ایک جائے اقامت (ہے) یا ایک جائے امانت (مراد، رحم مادر اور دنیا ہے اور دنیا یا قبر ہے)۔ بے شک ہم نے سمجھنے والے لوگوں کے لئے (اپنی قدرت کی) نشانیاں کھول کر بیان کر دی ہیں۔ (الانعام/۹۸)

لقوم یذکرون

۱۔ اور یہ تیرے رب کا سیدھا رستہ ہے۔ ہم نے یہ باتیں ان لوگوں کے لئے کھول کر بیان کر دی ہیں، جو نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ (الانعام/۱۳۶)

لقوم یومنون

۱۔ اور وہی ہے جس نے آسمان کی طرف سے پانی اتارا۔ پھر ہم نے اس (بارش) سے ہر قسم کی روئیدگی نکالی۔ پھر ہم نے اس سے سرسبز (کھیتی) نکالی۔ جس سے ہم اوپر تلے پیوستہ دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے گابھے سے لٹکتے ہوئے گچھے اور انگوروں کے باغات اور زیتون اور انار (بھی پیدا کئے، جو کئی اعتبارات سے) آپس میں ایک جیسے (لگتے) ہیں۔ اور (پھل، ذائقے اور تاثیرات) جداگانہ ہیں۔ تم درخت کے پھل کی طرف دیکھو، جب وہ پھل لائے اور اس کے پکنے کو (بھی دیکھو) بے شک ان میں ایمان رکھنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ (الانعام/۹۹)

مزید آیات دیکھئے، (الاعراف/۲۰۳- یوسف/۱۱۱- النحل/۴۷-۷۹- النحل/۸۶-عنکبوت/۲۴-یونس/۱۰۱-عنکبوت/۵۱-الروم-۳۷-الزمر/۵۲-التوبہ/۱۴)

لقوم یشکرون

۱۔ اور جو ستھری سرزمین ہوتی ہے۔ اس کی پیداوار تو اللہ کے حکم سے خوب نکلتی ہے، اور جو خراب ہے۔ اس کی پیداوار بہت کم نکلتی ہے۔ اسی طرح ہم دلائل کو طرح طرح سے بیان کرتے ہیں، ان لوگوں کے لئے جو شکر کرتے ہیں۔ (الاعراف/۵۸)

لقوم یتفکرون

۱۔ اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور دریا بنائے،

اور ہر قسم کے پھلوں سے اس میں دو دو (یعنی) جوڑے بنائے۔ وہ دن پر رات کا پردہ ڈالتا ہے، اور اس میں ان لوگوں کے لئے یقینی نشانیاں ہیں، جو فکر کرتے ہیں۔ (الرعد/۳)

لقوم عابدین

۱۔ یقیناً اس میں عبادت کرنے والوں کے لئے پیغام ہے۔ (الانبیا/۱۰۶)

لقوم یتقون

۱۔ بلاشبہ رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے۔ ان سب میں ان لوگوں کے لئے دلائل ہیں، جو تقویٰ سے کام لیتے ہیں۔ (یونس/۶)

القوم الصالحین

۱۔ اور ہمیں کیا ہے کہ ہم اللہ پر اور اس حق (یعنی حضرت محمد مصطفیٰؐ اور قرآن مجید) پر جو ہمارے پاس آیا ہے، ایمان نہ لائیں، حالانکہ ہم (بھی یہ) طمع رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ (اپنی رحمت و جنت میں) داخل فرمادے۔ (المائدہ/۸۴)

لقوم یسمعون

۱۔ اور اللہ نے آسمان کی جانب سے پانی اتارا اور اس کے ذریعے زمین کو اس کے مردہ (یعنی بنجر) ہونے کے بعد زندہ (یعنی سرسبز و شاداب) کر دیا۔ بے شک اس میں (نصیحت) سننے والوں کے لئے نشانی ہے (تاکہ تم اس میں کام کاج کرسکو)۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں، جو (غور سے) سنتے ہیں۔ (یونس/۶۷)

مذکورہ بالا آیات کریمہ میں جن مثبت افعال و صفات سے لفظ قوم کو موصوف کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہیں، یقین والے، عقل والے، علم والے، فقہ والے، تذکر والے، ایمان والے، شکر والے، تفکر والے، عبادت والے، تقویٰ والے، صالحیت والے، اور سننے والے لوگ۔ بنظر غائر دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ الگ الگ مذکور ہونے والے یہ تمام لوگ دراصل ایک ہی قوم کے افراد ہیں، جنہیں حسب ضرورت اور بتقاضائے حکمت، الگ الگ صفات سے موصوف کر دیا گیا ہے۔ اس سے لفظ قوم کے تنوع (Diversity) کا پتہ چلتا ہے۔

اب مثبت اضافت کے بعد، لفظ قوم کی منفی اضافت بھی ملاحظہ کیجئے، جو تفہیم کے پہلو سے قرآن مجید کے اصول زوجین کے عین مطابق ہے۔

واضح رہے کہ یہاں منفی صفات و افعال کی اضافت بھی لفظ قوم کے تنوع کو ظاہر کر رہی ہے۔ لفظ قوم کی اضافت کے الفاظ درج ذیل ہیں۔

(۱) قوم الکافرین (۲) قوم الظلمین (۳) قوم الفاسقین (۴) قوم المجرمین (۵) قوم الضالین (۶) قوم مسرفون (۷) قوم الخاسرون (۸) قوم تجہلون (۹) قوم یفرقون (۱۰) قوم تسحرون (۱۱) قوم تفتنون (۱۲) قوم یعدلون (۱۳) قوم المفسدین (۱۴) قوم خصمون (۱۵) قوم طاغون (۱۶) قوم لایفقھون۔ (۱۷) قوم لایومنون

قوم الکافرین

۱۔ تب (شعیبؑ) ان سے کنارہ کش ہوگئے اور کہنے لگے: اے میری قوم! بے شک میں نے تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیے تھے اور میں نے تمہیں نصیحت (بھی) کر دی تھی۔ پھر میں کافر قوم (کے تباہ ہونے) پر افسوس کیونکر کروں؟! (الاعراف/۹۳)

مزید آیات ملاحظہ کیجئے: (الانفال/ ۳۷- التوبہ/ ۳۷- نمل/۴۳- الانعام/۴۷- المائدہ/ ۶۷- یونس/ ۸۷- تحریم/ ۱۱- المائدہ/ ۶۸)

القوم الظلمین

۱۔ کیا تو نے اس (کی حالت) پر غور نہیں کیا، جس نے ابراہیمؑ سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑا کیا۔ اس لئے کہ اللہ نے اسے ملک دیا۔ جب ابراہیمؑ نے کہا۔ میرا رب وہ ہے، جو زندگی بخشتا ہے اور مارتا ہے۔ اس نے کہا میں بھی زندگی دیتا اور مارتا ہوں۔ اور ابراہیمؑ نے کہا کہ اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو تو اسے مغرب سے نکال۔ پھر وہ جو کافر تھا۔ حیران رہ گیا۔ اور اللہ ظالم لوگوں کو راہ نہیں دکھاتا۔ (البقرۃ/ ۲۵۸)۔

مزید آیات ملاحظہ ہوں (الانعام/۱۴۴۔ انفال/۱۹ المومنون/ ۴۸/۴۱/ ۹۴۔ ھود/ ۴۴۔ یونس/ ۸۵، التوبہ/ ۱۰۹۔ قصص/ ۲۵/ ۵۰۔ الاحقاف/ ۱۰۔ الصف/ ۷۔ الجمعہ/ ۵۔ الانعام/ ۴۷/ ۶۸۔ الاعراف/ ۴۷/ ۱۵۰)

القوم الفاسقین

۱۔ آپ خواہ ان (بدبخت، گستاخ اور آپ کی شان میں طعنہ زنی کرنے والے منافقوں) کے لئے بخشش طلب کریں یا ان کے لئے بخشش طلب نہ کریں۔ اگر آپ (اپنی طبعی شفقت اور عفو و درگزر کی عادت کریمانہ کے پیش نظر) ان کے لئے ستر مرتبہ بھی بخشش طلب کریں تو بھی اللہ انہیں ہرگز

نہیں بخشے گا، یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ کفر کیا ہے، اور اللہ نافرمان قوم کو کامیاب نہیں کرتا۔ (التوبہ/٨٠)

مزید آیات ملاحظہ کیجئے۔ (التوبہ/٩٦۔ المائدہ/١٠٨۔ الانفال/٢٢۔ الاحقاف/٣٥۔ ذاریات/٤٦۔ الصف/٥۔ منافقون/٦۔ التوبہ/٢٤)

القوم المجرمین

١- پھر اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو فرما دیجئے کہ تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے اور اس کا عذاب مجرم قوم سے نہیں ٹالا جائے گا۔ (الانعام/١٤٧)۔

مزید آیات دیکھئے! (یونس/١٣- الاحقاف/ ٢٥- ذاریات/٣٢ -الدخان/٢٢)

القوم الضالین

١- پھر جب (ابراہیمؑ نے چاند کو چمکتا ہوا دیکھا) تو کہا، کیا یہ میرا رب ہے؟ سو جب وہ ڈوب گیا، کہا اگر میرے رب نے مجھے ہدایت نہ دی ہوتی تو میں یقیناً گمراہ لوگوں میں سے ہو جاتا۔ (الانعام/٧٧)

قوم مسرفون

١- تم عورتوں کو چھوڑ کر، مردوں کے پاس شہوت رانی کے لئے آتے ہو، بلکہ تم حد سے نکل جانے والے لوگ ہو۔ (الاعراف/٨١)

القوم الخاسرون

١- کیا وہ لوگ اللہ کی مخفی تدبیر سے بے خوف ہیں، پس اللہ کی مخفی تدبیر سے کوئی بے خوف نہیں ہوا کرتا، سوائے نقصان اٹھانے والی قوم کے۔ (الاعراف/٩٩)

قوم تجہلون

١- اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر (یعنی بحر قلزم) کے پار اتارا تو وہ ایک ایسی قوم کے پاس جا پہنچے جو اپنے بتوں کے گرد (پرستش کے لئے) آسن مارے بیٹھے تھے (بنی اسرائیل کے لوگ) کہنے لگے! اے موسیٰ! ہمارے لئے بھی ایسا (ہی) معبود بنا دیں، جیسے ان کے معبود ہیں، موسیٰ نے کہا! تم یقیناً بڑے جاہل لوگ ہو۔ (الاعراف/١٣٨)

قوم یفرقون

١- اور وہ (اس قدر بزدل ہیں کہ) اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم ہی سے ہیں، حالانکہ وہ تم میں سے نہیں، لیکن وہ ایسے لوگ ہیں جو (اپنے نفاق کے ظاہر ہونے اور اس کے انجام سے) ڈرتے ہیں۔ (التوبہ/٥٦)

قوم مسحورون

١- یہ لوگ یقیناً کہیں گے کہ ہماری آنکھیں (کسی حیلہ و فریب کے ذریعے) باندھ دی گئی ہیں بلکہ ہم جادو زدہ قوم ہیں۔ (الحجر/١٥)

قوم عادون

١- اور اپنی بیویوں کو چھوڑ دیتے ہو، جو تمہارے رب نے تمہارے لئے پیدا کی ہیں، بلکہ تم (سرکشی میں) حد سے نکل جانے والے لوگ ہو۔ (الشعراء/١٦٦)

قوم تفتنون

١- وہ کہنے لگے! ہمیں تم سے (بھی) نحوست پہنچی ہے اور ان لوگوں سے (بھی) جو تمہارے ساتھ ہیں۔ (صالحؑ نے) فرمایا: تمہاری نحوست (کا سبب) اللہ کے پاس (لکھا ہوا) ہے، بلکہ تم لوگ فتنہ میں مبتلا کیے گئے ہو۔ (النمل/٤٧)

قوم یعدلون

١- بلکہ وہ کون ہے، جس نے آسمان اور زمین کو پیدا فرمایا اور تمہارے لئے آسمانی فضا سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس (پانی) سے تازہ اور خوشنما باغات اگائے، تمہارے لئے ممکن نہ تھا کہ تم ان (باغات) کے درخت اگا سکتے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور بھی) معبود ہے؟ بلکہ یہ وہ لوگ ہیں، جو

(راہِ حق سے) پرے ہٹ رہے ہیں۔ (النحل/٦٠)

القوم المفسدین

١- (لوط علیہ السلام نے) عرض کیا میرے رب! مجھے فساد کرنے والی قوم کے خلاف مدد دے۔ (عنکبوت/٣٠)

قوم خصمون

١- اور کہتے ہیں آیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ (عیسیٰ) وہ آپ سے یہ بات محض جھگڑا کرنے کے لئے کرتے ہیں، بلکہ وہ لوگ بہت جھگڑالو ہیں۔ (الزخرف/٥٨)

قوم طاغون

١- کیا وہ لوگ ایک دوسرے کو اس بات کی وصیت کرتے رہے؟ بلکہ وہ (سب) سرکش و باغی لوگ تھے۔ (الذاریات/٥٣)

٢- کیا ان کی عقلیں انہیں یہ (بے عقلی کی باتیں) سجھاتی ہیں یا وہ سرکش و باغی لوگ ہیں؟ (الطور/٣٢)

قوم لا یفقھون

١- اور جب بھی کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔ (اور اشاروں سے پوچھتے ہیں) کہ کیا تمہیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا۔ پھر وہ پلٹ جاتے ہیں۔ اللہ نے ان کے دلوں کو پلٹ دیا ہے، کیونکہ وہ لوگ ہیں، جو سمجھ نہیں رکھتے۔ (التوبہ/١٢٧)

قوم لا یومنون

پھر ہم نے پے در پے اپنے رسولوں کو بھیجا۔ جب بھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آتا وہ اسے جھٹلا دیتے تو ہم بھی ان میں سے بعض کو بعض کے پیچھے (ہلاک در ہلاک) کرتے چلے گئے۔ اور ہم نے انہیں داستانیں بنا ڈالا پس دور ہو وہ قوم جو ایمان نہیں لاتی (المومنون/٤٤)

مذکورہ بالا آیات کریمہ میں جن منفی صفات و افعال سے لفظ قوم کو موصوف کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہیں، کفر کرنے والے، ظلم کرنے والے، فسق کرنے والے، جرم کرنے والے، گمراہ ہونے والے، اسراف کرنے والے، خسارہ پانے والے، جہالت دکھانے والے، نفاق کی وجہ سے ڈرنے والے، سحر میں مبتلا ہونے والے، فتنہ والے، راہ سے ہٹنے والے، فساد پھیلانے والے، جھگڑا کرنے والے، سرکشی کرنے والے نہ سمجھنے والے اور ایمان نہ لانے والے الغرض یہ صفات، جس محور کے گرد گھومتی ہیں، وہ کفر کا محور ہے، اور یہ تمام لوگ گویا اس محور کے گرد گھومنے والے سیارے ہیں، بظاہر ان کے نام الگ الگ ہیں، مگر چونکہ ان کا سفر ایک ہی سمت میں ہے اس لئے یہ تمام لوگ ایک ہی مرکزی قوم کے افراد کہلائے جائیں گے۔ ان متفرق صفات و افعال کے مضاف الیہ ہونے سے بھی ہمیں لفظ قوم کے تنوع (Diversity) کا اندازہ ہوتا ہے۔ نیز مذکورہ بالا حوالوں سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ قوم کا لفظ اپنے خمیر میں دراصل کسی کردار یا حالت کا طلب گار ہے۔ خواہ وہ کردار اور حالت مثبت ہو یا منفی، دراصل وہی اس کی پہچان ہے اور وہی اس کی قومیت۔

لفظ قوم کی اضافت، مثبت و منفی صفات سے ہٹ کر کسی عارضی حالت پر بھی ہوتی ہے، جیسے

قوم منکرون

١- (لوط علیہ السلام نے) نے کہا کہ تم اجنبی لوگ ہو۔ (الحجر/٦٢)

٢- جب وہ ان کے پاس آئے تو انہوں نے سلام پیش کیا۔ ابراہیم نے بھی (جواباً) سلام کہا، ساتھ ہی دل میں سوچنے لگے کہ یہ اجنبی لوگ ہیں۔ (الذاریات/٢٥)

اب ہم ذیل میں لفظ قوم کی اضافت بعض ممتاز شخصیات کے اسماء کی اضافت کے ساتھ بیان کرنا چاہیں گے، جسے قرآن کریم نے پیش کیا ہے۔ بالعموم یہ شخصیات انبیاء و رسل یا نیک افراد کی ہیں، سوائے ایک شخص کے جسے فرعون کے لقب سے یاد کیا گیا ہے اور وہ شخصیات یہ ہیں۔

(١) حضرت ابراہیمؑ (٢) حضرت نوحؑ (٣) حضرت ہودؑ (٤) حضرت صالحؑ (٥) حضرت لوطؑ (٦) حضرت یونسؑ (٧) حضرت تبعؑ (٨) حضرت موسیٰؑ (٩) فرعون

قوم نوح عاد و ثمود اور قوم ابراہیم علیہ السلام

١- کیا ان کے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے تھے، نوح کی قوم اور عاد کی اور ثمود کی اور ابراہیم کی قوم اور مدین کے رہنے والوں کی اور تباہ شدہ بستیوں کی۔ (التوبہ/٧٠)

قوم نوح، قوم ہود، قوم صالح، قوم لوطؑ

١- اور اے میری قوم! مجھ سے دشمنی و مخالفت تمہیں یہاں تک نہ ابھار دے (کہ جس کے باعث) تم پر وہ (عذاب) آ پہنچے، جیسا (عذاب) قوم نوح

یا قوم ہود، یا قوم صالح کو پہنچا تھا، اور قوم لوط (کا زمانہ تم) تم سے کچھ دور نہیں (گزرا)۔ (ہود/۸۹)

قوم یونس

۱- پھر قوم یونس (کی بستی) کے سوا کوئی اور ایسی بستی کیوں نہ ہوئی، جو ایمان لائی ہو اور اسے اس کے ایمان لانے کا فائدہ دیا ہو۔ جب (یونس کی قوم، نزول عذاب سے قبل صرف اس کی نشانی دیکھ کر) ایمان لے آئی تو ہم نے ان سے دنیوی زندگی میں (ہی) رسوائی کا عذاب دور کر دیا اور ہم نے انہیں ایک مدت تک منافع سے بہرہ مند رکھا۔ (یونس/۹۸)

قوم تبع

۱- بھلا یہ لوگ بہتر ہیں یا تبع کی قوم، اور وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے، ہم نے ان (سب) کو ہلاک کر ڈالا تھا، بے شک وہ مجرم لوگ تھے۔ (الدخان/۳۷)۔

(قوم تبع کے لئے مزید دیکھئے (ق/۱۴) اس آیت میں قوم تبع کا ذکر مکذبین رسل میں کیا گیا ہے، پس ممکن ہے کہ وہ بھی رسولوں میں ہو، اور روح المعانی میں ہے کہ ایک روایت میں حضرت ابن عباس سے اس کا نبی ہونا بیان کیا گیا ہے، گو اس کی صحت ثابت نہیں ہوئی۔)

قوم موسیٰ علیہ السلام

۱- اور موسیٰ کی قوم نے ان کے (کوہ طور پر جانے کے) بعد اپنے زیوروں سے ایک بچھڑا بنا لیا (جو) ایک جسم تھا، اس کی آواز گائے کی تھی، کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ وہ نہ ان سے بات کر سکتا تھا اور نہ ہی انہیں راستہ دکھا سکتا تھا۔ انہوں نے اس کو (معبود) بنا لیا اور وہ ظالم تھے۔ (الاعراف/۴۸)۔

مزید آیات دیکھئے: (البقرۃ/۵۴/۶۰/۶۷- المائدہ/۲۰- الاعراف/۱۲۸/۱۵۵/۱۵۹- ابراہیم/۶- الصف/۵)

قوم فرعون

۱- قوم فرعون کے سردار بولے! بے شک یہ (تو کوئی) بڑا ماہر جادوگر ہے۔ (الاعراف/۱۰۹)۔

مزید حوالوں کے لئے دیکھئے: (الاعراف/ ۱۲۷/۱۳۷- طٰہٰ/۷۹- الشعراء/۱۱- ص/۱۲- زخرف/۵۱- الدخان/۱۷- ق/۱۳))

ان ممتاز اور نمایاں شخصیات کے حوالے سے جن لوگوں کو قوم قرار دیا گیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ان شخصیات سے بایں طور منسلک ہوئے۔ ان کی زبان بولنے والے تھے۲۔ ان کے علاقے کے رہنے والے تھے۳- ان کے معاندین تھے۴۔ یا پھر ان کے متبعین تھے۔

مذکورہ الصدر حوالوں میں اول الذکر اور ثانی الذکر کے لئے، قرآن کریم کی یہ آیت بھی ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی قوم کی زبان میں، تا کہ انہیں کھول کر بتائے۔ (ابراہیم/۴) واضح رہے کہ قرآن مجید نے ہر نبی کا ذکر کر کے فرمایا ہے کہ وہ الیٰ قومہ بھیجا گیا ہے۔ یعنی اپنی قوم کی طرف۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ کے متعلق فرمایا

وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ. (ال عمران/۴۹)

"وہ بنی اسرائیل کے رسول تھے"۔ مگر حضور خاتم النبین، سید المرسلین صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نسبت کہیں نہیں فرمایا کہ آپ ﷺ کو عرب کی طرف بھیجا گیا ہے بلکہ سورۃ ابراہیم کی پہلی آیت میں ہی یہ اعلان کر دیا تھا کہ کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ. "یہ کتاب ہے، جسے ہم نے آپ ﷺ کی طرف اتارا ہے، تا کہ آپ ﷺ (دنیا جہان کے) لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر ایمان کی طرف لے آئیں"۔ ایک اور جگہ آپ ﷺ کی بعثت کے بارے میں فرمایا:

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا. (الاعراف/۱۵۸)

اے لوگو! "میں تم سب کی طرف رسول بن کر آیا ہوں" پس آپ ﷺ کا تمام زبان والوں اور علاقے والوں کی طرف مبعوث ہونا آپ ﷺ کے آخری اور عالمگیر پیغمبر ہونے کی دلیل ہے۔ آپ ﷺ چونکہ عالمی اور آخری پیغمبر ہیں۔ اس لئے مذکورہ بالا چاروں پہلوؤں سے اب دنیا جہان کے تمام لوگ ایک طرف سے آپ ﷺ کے، ہم قوم ہوئے، اور آپ ﷺ ان سب کی طرف مبعوث ہونے والے پیغمبر۔ ہمارے نزدیک اتباع کے پہلو سے بطور شناخت، آپ ﷺ کے ہم قوم، روئے زمین پر بسنے والے اب وہ تمام لوگ ہیں، جو اپنا اعتقادی تعلق آپ سے منسلک کرتے ہیں یعنی مسلمان سمجھتے ہیں، اور جو خود کو مسلمان نہیں سمجھتے وہ بھی مدعو کی حیثیت سے آپ ﷺ ہی کے ہم قوم ہیں، مگر عدم اجابت و قبولیت کے سبب، غیر مسلم قوم کے فرد مانے جائیں گے۔

اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمان قوم، حضور ﷺ پر ایمان لانے کی وجہ سے ایک جداگانہ حیثیت کی مالک ہے، اس لئے عالمی تناظر میں اسے ایک اعتقادی قوم، سمجھنا چاہئے، کیونکہ عقیدہ اور نظریہ وہ حقیقت ہے، جو اپنی اصل میں عالمگیر ہے، یعنی زمان و مکان کی قید سے ماوراء۔ پس اس میں دنیا

کی ہر لسانی و علاقائی قوم کا فرد شامل ہو سکتا ہے۔ یعنی ان تشخصات کے باوجود، عقیدہ سے وابستگی کے بعد، وہ ایک نظریاتی قوم کا فرد بن سکتا ہے۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
(اقبالؒ)

اس کے ذیل میں اس آیت کو دیکھیے۔

فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ.
(النساء/۹۲)

''پھر اگر وہ (مقتول) تمہاری دشمن قوم سے ہو اور وہ مومن (بھی) ہو تو (صرف) ایک غلام/ باندی کا آزاد کرنا (ہی لازم) ہے''۔

آیت میں دشمن قوم کے اندر رہنے والے کسی مومن مقتول، کا ذکر ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ دشمن قوم، یقیناً غیر مسلموں پر مشتمل ہے مگر انہی غیر مسلموں میں ایک ایسا مقتول بھی ہے جو جغرافیائی یا رہائشی پہلو سے تو دشمن قوم سے تعلق رکھتا ہے، مگر اس کے باوجود نظریاتی طور پر وہ مومن ہے۔ سو کسی مسلمان کو غیر مسلم کا ہم قوم قرار دینا، خلاف قرآن ہرگز نہیں، اور نہ ہی اس طرح کا ہم قوم ہونا کسی ایسی قدر کا حامل ہے جسے مستقل قدر سمجھا جائے، کیونکہ کسی کا نظریاتی طور پر ہم قوم ہونا ہی مستقل قدر کا حامل ہونا ہوتا ہے، اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے بھارت میں بسنے والے مسلمان، وطنی اعتبار سے بھارتی ہوں گے یعنی بھارتی قوم کے فرد، مگر نظریاتی طور پر وہ مسلمان ہوں گے، اسی طرح پاکستان میں بسنے والے ہندو، جغرافیائی لحاظ سے پاکستانی یا پاکستانی قوم کے فرد ہوں گے، مگر جداگانہ نظریہ کی اساس پر، وہ اپنے مذہب کے پیرو ہوں گے۔

اس مثال سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ آنحضرت ﷺ پر ایمان کے تعلق سے، دنیا بھر کے مسلمان بیک وقت مختلف اور متعدد قومیتوں کے حامل ہونے کے باوجود، نظریاتی طور پر ایک قوم ہونے کا الگ تشخص رکھتے ہیں۔

امت

اب ذیل میں لفظ امت کے قرآنی استعمالات و اطلاقات کو پیش کیا جاتا ہے تا کہ اس لفظ کی بھی وضاحت ہو سکے، اس ضمن میں سب سے پہلے وہ آیت دیکھیے، جس میں قوم اور امت کے الفاظ اکٹھے لائے گئے ہیں۔

۱-وَمِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ۔ (الاعراف/۱۵۹)

''اور موسیٰ کی قوم میں سے ایک جماعت (ایسے لوگوں کی بھی) ہے، جو حق کی راہ بتاتی ہے اور اسی کے مطابق عدل (پر مبنی فیصلے) کرتی ہے۔''

مقصود کلام یہ ہے کہ موسیٰ کی ساری قوم ایک جیسی ہرگز نہ تھی، بلکہ اس میں ایک (امت) جماعت ایسی بھی تھی، جو حق کے ساتھ ہدایت کرتی اور حق کے ساتھ عدل بھی کرتی تھی۔ آیت میں قوم کا لفظ امت کے مقابلے میں وسیع تر معنی میں آیا ہے۔ گویا امت کسی بھی قوم کا کوئی خاص گروہ ہوتا ہے، جو مخصوص اعمال و کردار کے باعث اسے بطور شناخت ایک قوم بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ واضح رہے کہ یہاں امت کا لفظ، جہاں محدود معنی میں استعمال ہوا ہے۔ وہیں مثبت معنی میں بھی استعمال ہوا ہے برخلاف قوم کے۔

۲-وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا ۙ اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا. (الاعراف/۱۶۴)

''اور جب ان میں سے ایک امت (جماعت) نے کہا کہ تم ایسے لوگوں کو نصیحت کیوں کر رہے ہو، جنہیں اللہ ہلاک کرنے والا ہے، یا جنہیں نہایت سخت عذاب دینے والا ہے؟''

یہاں بھی امت کا لفظ عوام کے مقابلے میں معنی محدود کے ساتھ استعمال ہوا ہے، گویا قوم اگر کوئی لسانی یا جغرافیائی کل ہے تو امت اسی کل کا ایک جزو۔

۳-مِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ. (البقرۃ/۱۲۸)

(ابراہیمؑ و اسماعیلؑ دونوں نے دعا کرتے ہوئے کہا) ''اور ہماری نسل سے ایک جماعت کو اپنا فرمانبردار بنا۔'' یہاں بھی امت کے لفظ کو ذریت کے مقابلے میں لا کر اس کی محدودیت کو واضح کیا گیا۔

۴-لَيْسُوا سَوَاءً ۗ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ.
(آل عمران/۱۱۳)

''یہ سب برابر نہیں ہیں، اہل کتاب میں سے ایک جماعت حق پر قائم ہے، وہ رات کی ساعتوں میں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتی ہے۔''

اس آیت میں امت کا لفظ اہل کتاب کے مقابلے میں رکھا گیا ہے، اور انہیں عام اہل کتاب سے نکال کر خاص اہل کتاب کے طور پر پیش کیا گیا ہے جو ظاہر ہے کہ امت کے محدود معنی پر خود آپ دلیل ہے۔

۵-وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِنَ النَّاسِ يَسْقُونَ.

(القصص/۲۳)

''اور جب (موسیٰ) مدین کے پانی (کے کنویں) پر پہنچے تو انہوں نے اس پر ایک امت (جماعت) کو پایا جو (اپنے جانوروں کو) پانی پلا رہے تھے۔''

پانی پلانے کا عمل ظاہر ہے کہ بستی کے کچھ لوگ ہی کر رہے تھے، نہ کہ پوری بستی کے لوگ، سو امت کا لفظ اس مقام پر بھی محدود و مخصوص معنی میں استعمال ہوا ہے۔

۶-تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ. لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ. وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ. (البقرة/۱۳۴)

''وہ ایک امت تھی جو گزر چکی ہے، ان کے لئے وہی کچھ ہوگا، جو انہوں نے کمایا اور تمہارے لئے وہ ہوگا جو تم کماؤ گے اور تم سے ان کے اعمال کی بازپرس نہ کی جائے گی۔''

اس آیت میں امت کا لفظ، انبیائے کرام علیہ السلام کی جماعت اور ان کی اولاد کے لئے استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ آیت ماقبل میں جن انبیاء کرام کا ذکر آیا ہے، ان میں حضرت یعقوبؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحٰقؑ شامل ہیں۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ انبیاء سارے کے سارے ایک ہی امت تھے، کیونکہ وہ سب ایک ہی دین سے تعلق رکھتے تھے، اور اب وہ گزر چکے ہیں اس لئے ان کے نام و کام سے اب تمہیں اس وقت فائدہ ہو سکتا ہے کہ جب تم ان کی پیروی میں اصل الاصول (اسلام) پر قائم ہو جاؤ۔ اس معنی میں یہ آیت البقرة/۱۴۱ میں بھی آئی ہے۔ وہاں بھی اس کا حوالہ اسی سیاق میں ہے کسبت اور کسبتم کے الفاظ نے امت کے مفہوم میں وسعت پیدا کر دی ہے۔ یہاں امت کا لفظ خاص سے عام کی طرف متعدی ہوا ہے۔

۷-وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا. (البقرة/۱۴۳)

''اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک اعلیٰ درجے کی امت بنایا ہے تا کہ تم عام لوگوں کے پیشرو بنو اور رسول تمہارا پیشرو ہو''۔

یہاں امت کا لفظ، الناس کے ساتھ عموم و خصوص کے فرق پر مشتمل ہے۔ الناس سے مراد، کفار، اور امت سے مراد، مسلمان ہیں۔ واضح ہو کہ یہاں امت کا لفظ نظریاتی طور پر استعمال کیا گیا ہے، جو اپنی وسعت میں عالمگیریت رکھتا ہے۔

۸-كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً. (البقرة/۲۱۳)

''سب لوگ (اپنی اصل میں) ایک ہی امت ہیں''۔

یہاں ایک اصولی بات ارشاد ہوئی ہے۔ دنیا کے سارے لوگ، اگر اپنی حقیقت پر غور کریں تو انہیں معلوم ہوگا کہ وہ اصلاً ایک ہی ہیں۔ مگر اپنے غلط اختیار کے استعمال کے سبب الگ الگ ہوئے ہیں۔

واضح ہو کہ کان کا استعمال کئی طرح سے ہوتا ہے، یہ گزرے ہوئے زمانے پر بھی بولا جاتا ہے اور اوصاف خداوندی میں اس کی ازلیت پر بھی دلیل بنتا ہے، جیسے كان الله بكل شي عليما o و كان الله على كل شي قديرا o اور جب یہ کسی جنس کے ایسے وصف کے متعلق استعمال

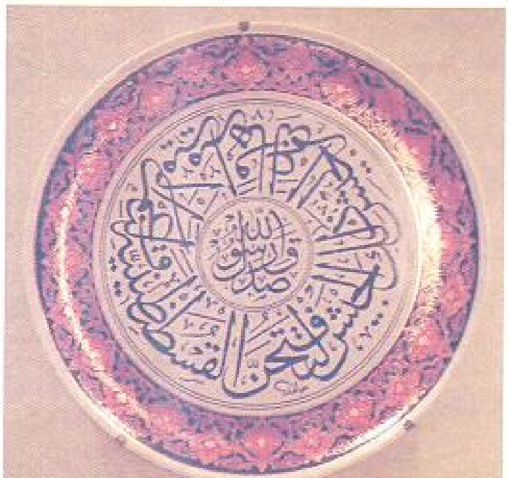

ہو، جو اس میں موجود ہو تو یہ ظاہر کرنے کے لئے ہوتا ہے کہ وہ وصف اس میں لازمی طور پر موجود ہے اور بہت ہی کم اس سے علیحدہ ہوتا ہے جیسے وكان الانسان كفورا و كان الانسان قتورا. (۱)

ہمارے نزدیک کنتم خیر امة میں کنتم زمانہ حال کا معنی دے رہا ہے یعنی تم بہترین امت ہو اور یہی معنی آیت مذکورہ میں ہے اور ہم نے اپنے ترجمے میں اسی معنی کا لحاظ رکھا ہے۔

۹- وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ. (آل عمران/۱۰۴)

''اور تم میں ایک امت (جماعت) ایسی ہونی چاہئے، جو بھلائی کی طرف بلائے اور اچھے کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے۔''

یہاں بھی امت سے پہلے ''منکم'' کے لفظ نے خود بتا دیا ہے کہ وہ محدود معنی میں ہے، مگر کردار و اعمال کے پہلو سے اسے ایک مخصوص قوم بھی قرار

دیا جا سکتا ہے، یعنی دعوت دینے والی قوم، اور یہ امت کا مثبت معنی ہے۔

۱۰- فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا. (النساء/۴۱)

''پھر اس دن کیا حال ہوگا، جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور ہم آپ کو ان پر گواہ لائیں گے۔''

اس آیت میں بظاہر امت کا لفظ، اپنے معنی میں عمومیت اور وسعت کا مفہوم لئے ہوئے ہے، جس کے مقابلے میں شہید کا لفظ لایا گیا ہے، جو یقیناً مخصوص معنی پر مشتمل ہونے کے سبب محدود ہے۔ گواس سے مراد، ہر زمانے اور ہر قوم کے انبیاء کرامؑ ہیں، مگر دوسرے فقرے میں شہیدا کا لفظ لایا گیا ہے۔ جو بالیقین، خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے آیا ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ جس طرح دیگر انبیاءؑ اپنی اپنی امتوں کے گواہ ہوں گے ویسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی امت پر گواہ ہوں گے۔ مگر اس لفظ کی ظاہری عمومیت اور وسعت کو جس طرح حدیث ذیل نے مخصوص و معین کر دیا ہے۔ وہ قابل توجہ ہے۔

صحیح بخاری میں یہ حدیث ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ، تو ابن مسعودؓ نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھ کر سناؤں جبکہ یہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے۔ فرمایا کہ مجھے اچھا لگتا ہے کہ میں دوسروں سے سنوں۔ پس حضرت ابن مسعودؓ نے سورۃ النساء پڑھنی شروع کی۔ یہاں تک کہ آپؓ اس آیت پر پہنچے۔ فَكَيْفَ إِذَا .... عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بس کرو۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اور ابن ابی حاتم نے ایک دوسرے صحابیؓ سے اس حدیث کو یوں بیان کیا ہے کہ حضور علیہ السلام کے ساتھ ابن مسعودؓ اور صحابیؓ تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح قرآن سن رہے تھے۔ جب پڑھنے والا اس آیت پر پہنچا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رو پڑے اور فرمایا۔ رب هذا شهدت على ما انا بين اظهر كم فكيف بمن لم اره. (تفسیر ابن کثیر) ''اے رب! ان پر تو میں گواہی دوں گا، جو میرے سامنے ہیں لیکن میں ان کی گواہی کس طرح دوں گا، جن کو میں نے دیکھا تک نہیں''، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن مفسرین نے ھؤلاء میں اشارہ، انبیائے ما سبق یا من کل امة بشهيد کی طرف لیا ہے۔ وہ مطابق حدیث نہیں ہے کیونکہ مذکورہ بالا حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ھؤلاء سے مراد امت محمدیہ ہے اور وہ بھی وہ امت جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تھی (اس مفہوم کی تائید کے لئے قرآنی دلائل، مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر تدبر قرآن میں ملاحظہ کیجئے۔)

۱۱- وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً (المائدہ/۴۸)

(پوری آیت کچھ یوں ہے) (اے نبیؐ!) اور ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب، حق کے ساتھ اتاری ہے، جو ماقبل کتابوں کی مصدق و مصداق بن کر آئی ہے، اور ان کی نگہبان بھی، سو آپ ان کے درمیان، اس کے مطابق فیصلہ کیجئے، جو اللہ نے اتارا ہے۔ اور آپ ان کی خواہشات کی پیروی ہرگز نہ کیجئے، اس حق سے دور ہو کر، جو آپ کے پاس آ چکا ہے، ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے الگ شریعت اور کشادہ راہ عمل مقرر کر دی ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی جماعت بنا دیتا لیکن وہ (چاہتا ہے کہ) جو کچھ اس نے تم کو دے رکھا ہے اس میں تمہارے جوہر پرکھے، سو تم نیکیوں میں جلدی کرو۔

آیت کے یہ الفاظ قابل توجہ ہیں۔ ''اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں ایک ہی امت بنا دیتا'' اس لئے تمام انسانوں کا ایک امت ہونا خلاف مشیت ہے۔ البتہ کفار کے مقابلے میں ایک امت ہونا خلاف مشیت ہرگز نہیں۔ (دیکھیے البقرۃ/۱۴۳) پھر امة واحدة سے قبل شرعة و منهاجا کے الفاظ پر نظر رہے تو مفہوم اور واضح ہو جاتا ہے۔ امام راغب اصفہانی (متوفی ۵۰۲ھ) کے بقول ان دو لفظوں کے اختیار کرنے میں دو باتوں کی طرف اشارہ ہے۔ ایک وہ بات جس پر اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو مسخر کر رکھا ہے کہ انسان اس راستے پر چلتا ہے، جس کا تعلق مصالح عباد اور شہروں کی آبادی سے ہے اور دوسرا وہ جس کا انسان اپنے اختیار سے قصد کرتا ہے، جس میں شرائع کا اختلاف ہے یعنی جو دین اللہ نے انسان کے لئے مقرر کیا ہے۔ (۲)

شرعة ومنهاجاً سے قبل لكل جعلنا منكم کے الفاظ سے اختلاف زمان و مکان کا لحاظ بھی ملتا ہے جو انسانی طبائع اور ان کی ضروریات کے حوالے سے رکھا گیا ہے۔ پس انہیں امت واحدہ نہ بنانا، ان کے اسی فطری اختلاف کا خوب صورت جواب ہے۔ اس سے امت کا مفہوم بہ آسانی سمجھا جا سکتا ہے۔

۱۲- وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ. إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ. (ہود/۱۱۸-۱۱۹) (مزید دیکھیے: النحل/۹۳)

''اور اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا (مگر اس نے جبراً ایسا نہیں کیا بلکہ سب کو مذہب کے اختیار کرنے میں آزادی دی) اور (اب) یہ لوگ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے سوائے ان کے جن پر

آپ کا رب رحم فرمائے۔''

دراصل اللہ تعالیٰ کی مشیت نے انسانوں کو کچھ قوئی دے کر انہیں ان کے استعمال کا اختیار دیا ہے۔ اس لئے وہ اختلاف کرتے ہی رہیں گے مگر یہاں ان لوگوں کا استثنیٰ کیا گیا ہے۔ جن پر رب نے رحم کیا ہے، یقیناً وہ حق کی مخالفت سے بچ رہیں گے۔ پس لوگوں کا ایک ہی امت ہونا، ان کی آزاد مرضی کے برخلاف عمل تھا، اس لئے اللہ نے ایسا نہ کیا۔

۱۳-مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ. (المائدہ/۶۶)

''ان میں سے ایک جماعت میانہ رو ہے۔''

پوری آیت میں ہے! اور اگر وہ لوگ تورات اور انجیل اور جو کچھ (مزید) ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے، نافذ کر دیتے تو (انہیں مالی وسائل کی اس قدر وسعت عطا ہو جاتی کہ) وہ اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے کھاتے۔ ان میں سے ایک جماعت (امت) میانہ رو ہے اور بہت سے ان میں برے کام کرتے ہیں۔

یہاں اہل توریت اور اہل انجیل کا ذکر عمومی طور پر کرتے ہوئے امت مقتصدہ کے الفاظ لائے گئے ہیں جو یقیناً کلمہ توصیف ہے، جو ظاہر ہے کہ سب کے لئے نہیں ہو سکتا۔ پس یہودی و عیسائی بحیثیت قوم تو بہت زیادہ ہیں۔ مگر بحیثیت امت بہت کم۔ اس جگہ لفظ امت کا مخصوص معنی بالکل واضح ہے۔

کہیں کہیں امت کا لفظ قوم کا معنی بھی دیتا ہے، جیسے یہاں

ثم ارسلنا رسلنا تترا کلما جاء اُمة رسولها کذبوه فاتبعنا بعضهم بعضاً وجعلنٰهم احا دیث فبعدا لقوم لا یو منون

(المومنون/۴۴)

''پھر ہم نے پے در پے اپنے رسولوں کو بھیجا۔ جب بھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آتا وہ اسے جھٹلا دیتے تو ہم بھی ان میں سے بعض کو بعض کے پیچھے (ہلاک در ہلاک) کرتے چلے گئے۔ اور ہم نے انہیں داستانیں بنا ڈالا پس دور ہو وہ قوم جو ایمان نہیں لاتی۔

كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ (الانعام/۱۰۸)

''اسی طرح ہم نے ہر قوم کے لئے ان کا عمل اچھا کر کے دکھایا ہے۔''

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ. (الاعراف/۳۴)

''اور ہر قوم کے لئے ایک میعاد ہے''۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ. (یونس/۴۷)

''اور ہر قوم کے لئے ایک رسول ہے۔''

اب ذیل میں وہ آیت ملاحظہ کیجئے جس میں تمام کافروں کو ایک امت کہا گیا ہے۔

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ. (یونس/۱۹)

''اور (یہ تیرے مخالفین) سب ایک ہی امت (جماعت) ہیں، سو وہ آپ سے اختلاف کرتے ہیں اور اگر ایک بات تیرے رب کی طرف سے پہلے نہ ہو چکی ہوتی، تو ان میں ان باتوں کا فیصلہ کر دیا جاتا، جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔''

اب کسی ایک فرد کے لئے لفظ امت کے استعمال کی مثال ملاحظہ کیجئے۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ. (النحل/۱۲۰)

''ابراہیم اپنی ذات میں پوری امت (امام) اللہ کا فرمانبردار اور راست رو تھا۔''

اس آیت میں امت کا لفظ تنہا ایک ذات کے لئے استعمال ہوا ہے۔ یہ امر دیگر ہے کہ وہ ذات، ذات پیغمبر ہے، اور چونکہ پیغمبر اپنی اصل میں ہر امت کے لئے بمنزلہ نشان کے ہوتا ہے، اس لئے وہ اپنی قوم کا پیشوا بھی ہوتا ہے، جو اپنی پیشوائی میں ایک امت بنا دیا ہوتا ہے۔ اس لئے اسے امت (یعنی امت بنانے والا) امام کہا گیا ہے۔

امت کا ایک معنی وقت بھی ہے۔

وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ. (ہود/ ٨)

''اور اگر ہم ان سے عذاب کو ایک مقررہ وقت، تک پیچھے ڈال دیں تو کہیں گے، اسے کس چیز نے روک رکھا ہے۔''

ہمارے مترجمین نے یہاں امت بمعنی وقت لیا ہے۔(٣) گویا وہ کسی جماعت کے رہنے کا وقت ہے۔(٤)۔بعض مترجمین نے امت معدودہ سے مراد، لوگوں کی جماعت ہی لی ہے یعنی ایک جماعت سے پیچھے ہٹا کر، دوسری جماعت تک اسے ملتوی کردیں۔مگر دشمنوں کو چھوڑ کر دوسری پر عذاب لانا، یہ اللہ کی سنت نہیں ہے۔

جس طرح امت کا ایک معنی وقت ہے، اسی طرح ایک معنی مدت بھی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے:

وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ. (یوسف/ ٤٥)

''ان دونوں قیدیوں میں سے، جو نجات یافتہ تھا۔اس نے ایک مدت کے بعد یوسف کا ذکر کیا۔اس نے کہا میں تم کو اس خواب کی تعبیر بتا سکتا ہوں، مجھے (یوسف کے پاس) بھیج دو۔''

امت، دین و مذہب کے معنی میں بھی آیا ہے۔

اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ (الزخرف/ ٢٢)

''بے شک ہم نے اپنے باپ دادا ایک دین و مذہب پر پایا۔''

خلاصہ یہ ہے کہ امت کی اصل اُمّ ہے۔اُمّ کے مشہور معنی ماں کے ہیں، مگر اس کا استعمال بہت وسیع ہے۔یعنی ہر وہ شے، جو کسی دوسری شے کے باوجود یا تربیت یا اصلاح یا آغاز کے لئے بطور اصل ہو، اسے ام کہا جاتا ہے۔اس لئے امت کے معنی ہیں، ہر وہ جماعت یا گروہ جسے کوئی امر جمع کردے۔خواہ وہ امر دینی ہو یا امر زمانی و مکانی، یعنی جغرافیائی وعصری وحدت کا انسلاک۔قطع نظر اس کے کہ وہ امر، اختیاری ہو یا غیر اختیاری۔(٥)

ملت

لفظ قوم اور امت کی متعدد تفصیلات کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ لفظ ملت کی حقیقت بھی واضح کردی جائے۔

١- وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ. (البقرۃ/ ١٣٠)

''اور کون ابراہیم کی ملت (یعنی مذہب) سے روگردانی کرتا ہے۔سوائے اس کے جس نے اپنے آپ کو احمق بنایا۔''

٢- وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا. قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا. (البقرۃ/ ١٣٥)

''اور کہتے ہیں یہودی ہو جاؤ یا عیسائی۔تم ہدایت پا لو گے، کہہ دیجئے بلکہ (ہم) ابراہیم کے مذہب پر ہیں، جو راست رو تھا۔''

٣- قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا. (آل عمران/ ٩٥)

کہہ دیجئے! اللہ نے سچا فرمایا ہے۔پس آپ سب لوگ راست ہو کر ابراہیم کے مذہب کی پیروی کرو۔''

> قرآن کے پیش کردہ اصولوں کے تحت عالمی اساس پر ایک ایسا معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے، جو معاشروں کے صالح عناصر کے لئے نہ صرف قابل قبول ہو، بلکہ ان معاشروں کے صالح عناصر بھی خود چاہیں کہ اب ان کی پہچان اسی نئے عنوان سے ہو

٤- وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا. (النساء/ ١٣٥)

''اور دین میں اس سے اچھا کون ہے؟ جس نے اپنی ساری توجہ کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں لگا دیا اور وہ احسان کرنیوالا ہے اور راست رو ہو کر، ابراہیم کے مذہب کی پیروی کرتا ہے۔''

٥- ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا. (الانعام/ ١٦١)

''فرما دیجئے! بے شک مجھے میرے رب نے سیدھے راستے کی ہدایت فرما دی ہے۔یہ مضبوط دین ہے اور (یہی) اللہ کی طرف یکسو اور ہر باطل سے

الگ، ابراہیم کی ملت ہے۔"

۶- ثُمَّ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّۃَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا۔ (النحل/۱۲۳)

"پھر ہم نے تیری طرف وحی کی کہ ابراہیم کے مذہب پر چل، جو ہر باطل سے الگ تھا۔"

۷- اِنِّیْ تَرَکْتُ مِلَّۃَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ کٰفِرُوْنَ. وَاتَّبَعْتُ مِلَّۃَ اٰبَآءِ یْٓ اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ۔ (یوسف/۳۷-۳۸)

"(حضرت یوسفؑ نے کہا) بے شک میں نے وہ مذہب (شروع ہی سے) چھوڑ رکھا ہے۔ جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ آخرت کے منکر ہیں۔ اور میں نے تو اپنے باپ دادا ابراہیمؑ، اور اسحقؑ اور یعقوبؑ کے مذہب کی پیروی کر رکھی ہے۔"

ان آیتوں میں دو دفعہ ملت کا لفظ آیا ہے۔ پہلی دفعہ ملت کفریہ کی حیثیت سے اور دوسری مرتبہ ملت انبیاءؑ کی حیثیت سے۔ جسے ملت اسلامیہ بھی کہا جاتا ہے۔

۸- مَا سَمِعْنَا بِھٰذَا فِی الْمِلَّۃِ الْاٰخِرَۃِ اِنْ ھٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ (ص/۷)

"(منکرین توحید نے کہا) ہم نے اسے (یعنی توحید خالص کو) پچھلی ملت میں بھی نہیں سنا۔ یہ صرف ایک بناوٹ اور مصنوعی چیز ہے۔"

یہاں ملت الاخرۃ سے مراد مذہب مسیحیت ہے۔ جس میں تثلیث کا عقیدہ پایا جاتا ہے۔

۹- وَجَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ. ھُوَ اجْتَبٰکُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ. مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰھِیْمَ. ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ ھٰذَا لِیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ شَھِیْدًا عَلَیْکُمْ وَتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ. فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ. ھُوَ مَوْلٰکُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ. (الحج/۷۸)

"اور اللہ کی راہ میں کوشش کرو جو اس کی (راہ میں) کوشش کا حق ہے۔ اس نے تمہیں چن لیا ہے اور دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب۔ اس نے تمہارا نام پہلے سے اور اس (قرآن) میں بھی مسلم رکھا ہے۔ تاکہ رسول تمہارا پیشوا ہو۔ اور تم بنی نوع انسان کے پیشوا بنو۔"

اس آیت میں دین اور ملت کے الفاظ دونوں آئے ہیں۔ پہلے فقرے میں کہا گیا۔ وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ. اور اس کے متصل فرمایا گیا۔ مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰھِیْمَ. تمہارے باپ ابراہیم کی ملت۔ چنانچہ بادنیٰ تدبر معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں جسے دین کہا گیا ہے۔ اسی کو ملت کہا گیا ہے جسے ہم آج اپنی اصطلاح میں مذہب کہتے ہیں۔ دراصل یہ وہی چیز ہے مگر اس آیت میں ایک خاص بات اور ہے وہ یہ کہ ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ. اس نے (اللہ تعالیٰ نے) تمہارا نام مسلمین رکھا ہے۔ (یعنی اللہ کے قوانین و فرامین کے فرمانبردار) اور یہ نام درحقیقت ملت ابراہیم کے پیرووں کی اصل پہچان تھی۔ نہ صرف ابراہیمؑ بلکہ ابراہیمؑ سے پہلے اور ابراہیمؑ کے بعد بھی۔ یہی نام، اللہ کے فرمانبرداروں کی پہچان تھا۔ اور آج بھی قوانین خداوندی کے متبعین کی یہی شناخت ہے۔ جسے افسوس کہ بھلا دیا گیا ہے اور لوگ دوسرے مختلف ناموں سے اصلاً خود کو متعارف کرانے لگے ہیں۔

واضح ہو کہ ملت اسلامیہ کا تصور، عقیدہ توحید اور عقیدہ آخرت سے استوار ہوتا ہے۔ اور ان دونوں بنیادی عقائد کے قیام و استحکام کا ذریعہ چونکہ عقیدہ رسالت بنتا ہے۔ اس لئے اسے ماننا بھی اتنا ہی ضروری ہوتا ہے، جتنا کہ عقیدہ توحید اور عقیدہ آخرت کو۔ ہر زمان و مکان کے تعلق سے، عقیدہ رسالت اپنی اصل میں وہ محوری و مرکزی عقیدہ ہوتا ہے۔ جس کے بغیر ملت اسلامیہ کا تصور ناممکن ہے۔ اس لئے ہر پیغمبر تنہا اپنی ذات میں پوری امت یا امت کا بنانے والا ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کے ضمن میں وارد ہوا۔

حضرت شعیبؑ کے ساتھ ان کی قوم کے سرداروں نے مکالمہ کرتے ہوئے، انہیں اپنی ملت میں (یعنی کفر میں) واپس آنے کا کہا، جس کے جواب میں حضرت شعیب نے کہا کہ اگر ہم تمہاری ملت میں لوٹ کر آئیں تو ہمارا طرز عمل خدا پر افتراء کے مترادف ہوگا۔ (الاعراف/ ۸۸-۸۹)۔ مزید دیکھئے: (البقرۃ/۱۲۰، الکہف/۲۰) اس مقام پر قوم اور ملت کے الفاظ ایک معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ مگر واضح رہے کہ ملت کا لفظ قرآن کریم میں تقریباً ہر جگہ مذہب یا دین کے مفہوم پر خاص ہوا ہے۔

پس ملت اسلامیہ سے مراد، مسلمانوں کا وہ مذہب ہے، جس پر وہ چلتے ہیں اور علی ھذا القیاس، تمام مذاہب کے لوگ اپنا جداگانہ مذہب رکھنے کے سبب، الگ ملت شمار ہوتے ہیں، اس لفظ کے اندر بنفسہ عالمگیر وسعت موجود ہے، جس طرح لفظ امت اور لفظ قوم میں بھی کہیں کہیں عالم گیریت کا معنی پایا جاتا ہے، بلکہ اگر یہ کہا جائے تو شاید بے جا نہ ہو کہ یہ تینوں الفاظ قدرے تغیر معانی و اطلاقات کے باوجود ایک دوسرے کے مترادف بھی ہیں۔

حاصل بحث

مضمون میں جن تین الفاظ قوم، امت اور ملت سے بحث کی گئی ہے۔ ان کے معانی، سیاق وسباق کی روشنی میں الگ الگ متعین ہوتے ہیں۔ جیسے لفظ قوم، اپنے افعال وصفات کے ساتھ الگ الگ استعمال ہوا ہے جو لوگوں (Peoples) کا معنی دیتا ہے اور لوگ چونکہ منفی ومثبت دونوں طرح کے افعال وصفات کے حامل ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ لفظ بھی اچھے اور برے دونوں طرح کے لوگوں پر حاوی ہے۔ آگے چل کر یہ لفظ جہاں لسانی، علاقائی اور پیشہ ورانہ گروہی بنیادوں پر استعمال ہوا وہیں مذہبی بنیادوں پر بھی استعمال ہونے لگا۔ جیسے مسیحی قوم، یہودی قوم اور مسلم قوم وغیرہ۔

دوسرے یہ کہ قوم، ملت اور امت، ان سب کے معانی، بھی بالعموم قرآن میں الگ الگ استعمال ہوئے ہیں۔

بلکہ بالعموم امت کا لفظ، قوم کے مقابلے میں محدود معنی میں استعمال ہوا ہے۔ (الاعراف/۱۵۹/ ۱۶۴)

مگر اس خصوصیت کے ساتھ کہ یہ صرف مثبت معنی میں استعمال ہوا ہے۔ (المائدہ/۶۶)

بمقابلہ لفظ قوم کے ۔۔۔ تاہم کہیں کہیں امت کا لفظ قوم کے معنی میں بھی آیا ہے۔ (الانعام/۱۰۸، الاعراف/ ۳۴، یونس/۴۷)

جبکہ ملت کا لفظ زیادہ تر حضرت ابراہیمؑ کے تعلق سے آیا ہے۔ جیسے البقرہ /۱۳۰۔۱۳۵، آل عمران/۹۵، النساء/ ۱۲۵، الانعام/۱۶۱، النحل/۱۲۳، یوسف/۳۷۔۳۸، الحج/۷۸۔ اور ہر جگہ مثبت معنی میں آیا ہے۔ سوائے ایک مقام کے، جہاں حضرت شعیب کو ان کے منکروں نے اپنی ملت میں واپس آنے کو کہا تھا۔ (الاعراف/۸۸۔۸۹) اس طرح پتہ چلتا ہے کہ یہ قوم اور ملت کے الفاظ قرآن مجید میں اچھے اور برے دونوں معنی میں آئے ہیں۔ البتہ امت کے لفظ کا منفی معنی یا کم از کم اس کا منفی استعمال ہمیں قرآن کریم میں نہیں ملا۔ مگر واضح ہو کہ امت کا لفظ، وسیع معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے۔ بلکہ ہمیشہ محدود معنی میں استعمال ہوا ہے۔

تیسرے یہ کہ قوم کا لفظ، بطور شناخت کے علاقہ، نسل اور زبان وغیرہ کی بنیاد پر قرآن مجید میں عام استعمال ہوا ہے۔ جبکہ ملت کا لفظ بالعموم نظریے کی بنیاد پر استعمال کیا گیا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ نظریہ یا عقیدہ کسی پیغمبر کا دیا ہوا ہے یا پیغمبر کے مخالفین کا، جبکہ امت کا لفظ اپنے معنی میں محدودیت کا حامل بھی نظر آتا ہے۔

مگر فی زمانہ امت اور ملت کے الفاظ ہمارے معاشرے کا ایسا عرف بن چکے ہیں کہ جن سے ہمیشہ مخصوص معنی مراد لیے جاتے ہیں۔ اور اس طرح وہ الفاظ اب اصطلاحات کی شکل میں مسلمانوں کی گویا مذہبی شناخت بن چکے ہیں۔

مسلم قومیت اور عالمگیر معاشرہ:

قوم، ملت اور امت کے قرآنی مفہوم اور اس کے بعد ان کے اصطلاحی مطالب پیش نظر رہیں تو ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جدید عالمگیر معاشرے میں مسلم تشخص کی منفرد حیثیت کا تحفظ کیسے ہوگا۔ کیا اسے ہر صورت میں ایک انفرادی شناخت کو برقرار رکھنا ہے یا اشتراک کے اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے، عالمگیر معاشرے کی ان اقدار کو قبول کر لینا ہے جو فی نفسہ اسلامی تعلیمات سے متصادم نہیں۔ ہمیں اس سوال کا جواب

قرآنی احکام اور انسان کے سماجی ارتقائی روشنی میں تلاش کرنا ہوگا۔

یہ واضح ہے کہ انسان کے سماجی رویوں میں قومیت کا تصور گوناگوں اختلافات کے ساتھ نمایاں ہے۔ کہیں تو اسے زبان کے تناظر میں دیکھا جاتا ہے کہیں جغرافیائی حوالے سے اور کہیں گورے اور کالے کے فرق کے ساتھ۔ اسی طرح اسے مذہب کے تعلق سے بھی پیش کیا جاتا ہے۔ بلکہ مذہب کی بنیاد پر ماضی میں نئے حوالے بھی تراشے گئے۔ جنہیں اب عقائد اور اور فقہ کے فرق کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ پھر ایک ہی عقیدہ و فقہ کے ماننے والوں میں مزید ذیلی تقسیم کے طور پر مختلف مسالک اور مکاتب الگ وجود پذیر ہوئے۔ یوں وہ ذیلی تقسیم ہی اب گویا ان کی پہچان بن چکی ہے۔ قومیت کی بنیاد رسم ورواج اور کلچر پر بھی اُستوار ہوتی ہے۔ مختلف شعبہ ہائے کار سے منسلک افراد بھی اپنے اپنے شعبوں کے اعتبار سے الگ پہچان رکھتے ہیں۔ یہ تنوع اور بوقلمونی، دو جہتی نوعیت کی ہے۔ ایک جہت مثبت اور دوسری جہت منفی ہے۔ قرآن نے اسے مثبت انداز میں، اس طرح بیان کیا ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا. (الحجرات/۱۳)

''اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔ اور تمہیں خاندانوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا ہے تا کہ تم باہم متعارف ہوسکو۔''

آیت سے پتہ چلتا ہے کہ خاندان اور قبیلے کا اختلاف بھی جداگانہ قومیت رکھتا ہے۔ مگر ان تمام قومیتوں کا اختلاف اپنے اندر فطری محاسن کا حامل ہے۔ بہ شرط یہ کہ وہ اپنی اساس میں مثبت ہو یعنی اسے صرف تعارف کا ذریعہ بنایا جائے نہ کہ فضیلتِ ذاتی وقومی کا۔ جیسا کہ آگے ارشاد ہوا۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ. (الحجرات/۱۳)

''بے شک تم میں صاحبِ تکریم اللہ کے نزدیک وہ ہے، جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے۔''

تقویٰ، منفی باتوں سے بچنے اور مثبت اُمور کے اختیار کرنے سے عبارت

خطاط اور خطاطی...... مسلم تہذیب کا ایک منظر

ہے۔ متقی کا مفہوم ہے خدا تعالیٰ کے احکام پر عمل پیرا ہونے والا۔ اس کے احکام کی حفاظت و نگہداشت میں زندگی بسر کرنے والا۔ اس طرح قرآن کی رو سے معیارِ فضیلت، نسب نہیں بلکہ کردار متعین ہو کر سامنے آتا ہے پس کسی مسلمان کی اصلیت، اس کے کردار سے ہی ظاہر ہوتی ہے۔ آیت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کسی کا اچھا یا برا ہونا بھی ایک طرح کی قومیت ہی ہے۔ اور یہی وہ قومیت ہے، جسے دیگر قومیتوں پر فضیلت حاصل ہے۔

معاشرہ خواہ قدیم ہو یا جدید۔ اس کی شناخت کے ظاہری پیمانے بدلتے رہے ہیں اور آئندہ بھی بدلتے رہیں گے۔ مگر انسانی شرف کے اصول اور فضیلت کے معیار و اقدار کبھی نہ بدلیں گے۔ یہ وہ اصول ہیں جو نا قابل تغیر و تبدل ہیں۔ اور ہر انسانی معاشرہ کی ضرورت بھی۔ قرآن کے پیش کردہ اصولوں کے تحت عالمی اساس پر ایک ایسا معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے، جو سب معاشروں کے صالح عناصر کے لئے نہ صرف قابل قبول ہو، بلکہ ان معاشروں کے صالح عناصر بھی خود چاہیں کہ اب ان کی پہچان، اسی نئے عنوان سے ہو۔ اس عنوان کو، اصول معاونت کا نام دیا جا سکتا ہے۔

قرآن نے یہ اصول ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى. وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. (المائدہ/۲)

''تم ایک دوسرے کی نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں مدد کرو۔ اور قوتِ مدافعت میں کمی پیدا کرنے والے اور ظلم و زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد ہرگز نہ کرو''۔

یہ اصول جس تناظر میں بیان ہوا ہے۔ وہ تناظر یہ ہے۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا (المائدہ/۲)

''اور کسی قوم کی عداوت کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا۔ کہیں اس امر پر آمادہ نہ کرے کہ تم اپنی حدود سے بڑھ جاؤ'' (یعنی دشمن قوم کے ساتھ زیادتی کا ارتکاب کرو)

دشمن قوم کے ساتھ عدل کرنا، کوئی عام اور آسان بات نہیں ہے، بلکہ یہ دنیا کا سب سے غیر معمولی اور مشکل کام ہے۔ مگر آپ نے دیکھا کہ اسی مشکل کام کا حکم دیا جا رہا ہے۔ یہیں سے واضح ہوتا ہے کہ جو دشمن نہ ہو، یا جس سے محبت و اتحاد کا رشتہ قائم ہو تو اس کے حقوق کی ادائیگی کس قدر ضروری ہوگی؟ پھر یہ امر بھی قابل توجہ رہے کہ قرآن مجید نے دشمن کے لفظ کو حالتِ عمومی پر نہیں رکھا بلکہ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کہہ کر ان کی دشمنی کو قطعیت کے ساتھ واضح بھی کر دیا ہے۔ یعنی بتا دیا ہے کہ یہ وہ دشمن قوم ہے، جو تمہارے دینی فریضے کی راہ تک میں حائل ہو چکی ہے۔ مگر اس جرم کے باوجود، وہ مستحق عدل و انصاف ہے۔

چنانچہ معاہدات کی پابندی، دشمنوں کے ساتھ بھی ویسی ہی ضروری ہے، جیسی دوستوں کے ساتھ۔ نہ صرف معاہدات کی حد تک بلکہ تمدن اور معاشرت کے حوالے سے بھی جو جو حقوق پیدا ہوں گے، ان سب کی ادائیگی بھی لازمی ہوگی۔ یہ ہے اسلام کا وہ تصورِ قومیت، جو لوگوں کی باہمی اعانت (یعنی اصول معاونت) کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔

جبکہ خود معاونت کی بنیاد بِر اور تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔ اس ترتیب سے جو بات اخذ ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ بحیثیت مجموعی، دنیا میں جتنی بھی قومیں یا قومیتیں موجود ہیں۔ وہ سب اپنے آپ کو ایک نئی قومیت کے لئے تیار کریں۔ تا کہ تمام قوموں کے صالح عناصر اور تمام معاشروں کے

باصلاحیت لوگ ایک دوسرے کے قریب آسکیں۔ اور اپنے اپنے کردار و عمل سے، خود اپنی اپنی قوموں کے لئے ایک معیاری مثال بن سکیں۔ یہ قومیت کا وہ نظری و عملی تصور ہے، جو معاشرتی پہلو سے اپنی اصل میں، ایک عالمی تصور ہے اور قرآن، دنیا میں یہی اصول متحرک رکھنا چاہتا ہے۔ اصول معاونت میں بِر اور تقویٰ کی قید نے صالح اور غیر صالح عناصر کو الگ الگ کر دیا ہے۔ بلکہ دونوں کو ایک دوسرے کا حریف قرار دے دیا ہے۔ واضح رہے کہ اسی اصول کی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے مقابلے میں یہودیوں کے حق میں فیصلے دیئے ہیں۔ اور اسی اصول کی کارفرمائی، آپ ﷺ کے اس فیصلے میں ہیرے کی طرح جگمگاتی نظر آتی ہے کہ جب آپ ﷺ نے فرمایا کہ واللہ! اگر فاطمہؓ بنتِ محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کے ہاتھ بھی قطع کر دیتا غرض جب اس اصول کو ہر قوم اپنا معیار بنالے گی تو قومیت کا منفی تاثر رفع ہو کر، مثبت اثر میں تبدیل ہونے لگے گا۔ اس طرح تعمیری اقدار کو معاشرے میں پنپنے کا موقع ملے گا۔

اس اصول کی روشنی میں مستقل بنیادوں پر قائم ہونے والی سیاسی و مذہبی جماعتوں کا وجود بھی کچھ غیر ضروری یا غیر مفید سا لگتا ہے۔ کیونکہ بدقسمتی سے ان جماعتوں کے مستقل قیام سے سماج میں تفرقہ پھیلا ہے۔ لوگ قبائلی عصبیت کی طرح جماعتی و مسلکی عصبیت کا مظاہرہ کرتے ہیں اور مذہب و سیاست کے نام پر انصاف کا خون کرتے ہیں۔ مسلم معاشروں میں ایک نکاتی ایجنڈے کے طور پر مذہبی و سیاسی جماعتوں کے بجائے، سول سوسائٹی کا کردار، البتہ میرٹ کے قیام کا باعث بن سکتا ہے۔ اس لئے تمام پارٹیوں کو اب اتفاقِ رائے سے سول سوسائٹی کا رول اپنا لینا چاہیے۔ معاشرتی مسائل کے حل میں اب یہی انداز اختیار کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ عدل اجتماعی کا قیام بھی اسی صورت متشکل ہو سکتا ہے کہ جب پوری مملکت میں لوگ بِر و تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کر رہے ہوں۔ یہ واحد پیمانہ اور معیار ہے، جو عالمی طور پر سب کے لئے قابلِ قبول اور قابلِ عمل ہو سکتا ہے۔ یہ معیار نہ صرف قرآن مجید کے مطابق ہے بلکہ عقل عام کے بھی موافق ہے۔ اس شناخت کو جو لوگ اپنا سکتے ہیں بلاشبہ وہی اس کتاب کے مومنِ صادق کہلانے کے حقدار ہوں گے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ. وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (ال عمران/۱۰۴)

"اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو ہر خیر و خوبی کی دعوت دینے والی ہو اور ہر منکر و خرابی سے روک دینے والی ہو اور یہی وہ اُمت ہے جو (بالآخر) کامیاب و کامران ہے"۔

بالعموم اس آیت سے سیاسی یا مذہبی جماعتوں کے (مستقل) قیام پر استدلال کیا گیا ہے۔ مگر میرے ناقص فہم میں اس کا مفہوم اس سول سوسائٹی سے ہے، جس کا کوئی مستقل ایجنڈا نہیں ہوتا۔ وہ معاشرے کی کسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے از خود کھڑی ہو جاتی ہے اور مسئلے کو حل کرنے کے لئے سب کو ساتھ لے کر چلنا چاہتی ہے۔ گویا وہ کسی ایک نکاتی ایجنڈے کو اپنا ہدف مقرر کرتی ہے اور اس کے حصول کے لئے لوگوں کو متحد کرتی ہے۔ ہمارے ملک میں اس کی مثال ماضی قریب میں عدلیہ کی بحالی کے لئے چلائی جانیوالی اس پر امن تحریک سے دی جا سکتی ہے، جو اپنے مقصد میں کامیاب ہوئی اور ہمیشہ کے لئے تاریخ کے ماتھے کا جھومر بن گئی۔

اس طرح سول سوسائٹی صرف ایشوز کو دیکھتی ہے۔ ایشوز کے محرکین کے ساتھ اپنی وفاداری مستقل طور پر وابستہ نہیں کرتی کیونکہ میرٹ کے قیام کے لئے، غیر مشروط وفاداری انہیں ایسا کرنے سے روک دیتی ہے۔ جب کہ دوسری طرف پارٹیوں میں منشور کی حد تک، میرٹ کے نظام کو قائم کرنے کی بات ضرور ہوتی ہے اور ابتداءً ایسا ہوتا نظر بھی آتا ہے مگر بعد میں یہ میرٹ، شخصی یا جماعتی وفاداری پر قربان ہو جاتی ہے۔ اس لئے مملکت کو سول سوسائٹی جیسی ہنگامی بنیادوں پر قائم ہونیوالی جماعتوں کی ضرورت ہے نہ کہ مستقل سیاست کرنے والی جماعتوں کی۔ البتہ مستقل بنیادوں پر بننے والی جماعتیں اگر جماعتی عصبیت سے بالاتر ہو کر معاشرہ کی بہبود کے لئے کام کریں تو یقیناً یہ بہترین اور آئیڈیل صورتحال ہو سکتی ہے۔ مثلاً وہ اپنی جماعت میں ہمیشہ میرٹ کا نظام قائم رکھنے کی کوشش کریں اور حقیقی ایشوز پر بات کریں۔ شخصی طور پر اگر ان کی جماعت کا کوئی فرد کسی جرم، بدعنوانی یا کرپشن میں ملوث پایا جائے تو اس کی حمایت کرنے کے بجائے نکال باہر کریں۔ ہماری تمام سیاسی اور مذہبی جماعتوں کو سختی کے ساتھ، اب اسی معیاری شناخت کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ اے کاش! اب یہی معیاری شناخت، جدید مسلم قومیت کی بنیاد ہو۔

حواشی

۱- اصفہانی، امام راغب، المفردات فی غریب القرآن، کتاب الکاف
۲- اصفہانی، امام راغب، المفردات فی غریب القرآن کتاب الشین
۳- ابن منظور افریقی، لسان العرب
۴- طبری، ابن جریر، تفسیر ابن جریر
۵- اصفہانی، امام راغب، المفردات فی غریب القرآن کتاب الالف